قرآن شناسی

# تفسیر سورہ الحمد

عمادالعلماء علامہ سید علی محمد نقوی صاحب قبلہ

الفاتحہ کا مفہوم تعارف یا افتتاح ہے۔ یہ سورہ بنیادی طور پر مقدمۂ قرآن ہے اور اس کا نزول بھی عہد رسالت کے بالکل ابتدائی دور میں ہوا ہے۔ یہ پہلا سورہ ہے جو مکمل نازل ہوا۔ اس سورہ سے پہلے سورہ نمبر ۹۶، ۷۳ اور ۷۴ کی چند ابتدائی آیتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ تنہا وہ سورہ ہے جو عہد رسالت کے دونوں ادوار یعنی مکی دور اور مدنی دور میں الگ الگ دوبارہ نازل ہوا اور اس طرح مکی اور مدنی دونوں کہلایا۔ اس سورہ کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی واجب نماز اس سورہ کی قرأت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ ہر با عمل مسلمان اپنی روزانہ کی واجب نمازوں میں کم سے کم دس مرتبہ اس سورہ کی تلاوت ضرور کرتا ہے۔ اس کی آیتوں کی ترتیب اور الفاظ کی نشست بلند ترین شعری ادب کا نمونہ ہے۔ اس کا صوتی تاثر عربی زبان کا بے مثل انداز اور مضمون کی گہرائی انسان کو معنویت کے اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچا دیتی ہے۔

یہ چھوٹا سا سورہ انسان کی خداوند جلیل کے حضور ایک دعا ہے جسے خالق نے خود تعلیم کیا ہے۔ قرآن چونکہ بنیادی طور پر کتاب ہدایت ہے اور ہدایت خالق کا اپنے بندوں پر ایک کرم ہے لہٰذا یہ کتاب دعا سے شروع ہوتی ہے جس میں انسان اپنے رب سے ہدایت کی درخواست کرتا ہے۔ پورا قرآن درحقیقت انسان کی اسی درخواست کا جواب ہے۔

سورہ فاتحہ کا موازنہ عیسائیوں کی ''دعای رب'' (Lord's Prayer) سے کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کا فرق بہت واضح ہے۔ انجیل کی دعا میں خداوند کریم کو ''پدر'' باپ کے نام سے یاد کیا گیا ہے جب کہ سورہ فاتحہ اسے ''عالمین کے رب'' سے تعبیر کرتا ہے۔ انجیل کی دعا میں خالق کے لئے ''جو آسمانوں میں ہے'' کی لفظیں استعمال کی گئیں ہیں۔ جب کہ سورہ فاتحہ اسے ''تمام دنیا اور آخرت کا مالک'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ انجیل کی دعا میں انسان اپنے رب سے اپنے قرضوں کی ادائیگی اور روٹی کا سوال کرتا ہے جب کہ اس سورہ میں انسان صراط مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کی ہدایت کا مطالبہ کرتا ہے۔

یہ سورہ اپنے معنی اور مضمون میں اس قدر جامع ہے کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پورے قرآن کا نچوڑ اس سورہ کی سات آیتوں میں سمویا ہوا ہے۔ سات چھوٹی آیتوں کا یہ چھوٹا سا سورہ درحقیقت اسلام کے تمام بنیادی عقائد کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اس لئے اسے جائز طور پر ''ام القرآن'' کہا جاتا ہے۔ یہ سورہ اسلامی طرز فکر کے تمام اجزاء کو صریحاً یا اشارتاً بیان کرتا ہے یہاں ہم کچھ پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا مجمل ذکر اس سورہ میں موجود ہے۔

## تصورِ خدا:

اس سورہ میں خداوندتعالیٰ کے چار بنیادی صفات بیان کئے گئے ہیں یعنی خالق، رب، رحیم، اور یوم جزا کا مالک۔ اسلام میں یہی تصور خدا ہے یعنی ایسا خدا جس کی قدرت اور حکومت لامتناہی اور جس کا رحم وکرم تمام حدود سے بالاتر ہے۔ وہی کائنات کا خالق اور اس کا پالنے والا ہے۔

## صفات الٰہی کا بیان:

رحمانیت، رحمت اور عدل خداوند عالم کی وہ بنیادی صفات ہیں جن کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہے۔

## عقیدہ معاد:

اسلام کا دوسرا اہم عقیدہ، عقیدہ معاد یا قیامت ہے اس سورہ کے آخر میں اسلام کے تصور معاد (قیامت) کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خداوند عالم یوم قیامت کا مالک ہے۔ یعنی ایک دن ایسا ہوگا جب عدل وانصاف کیا جائے گا اور انسان اپنے اعمال کی سزا یا جزا پائے گا اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہی اسلام کا تصور معاد یا قیامت ہے۔

## عقیدہ توحید:

عقیدہ توحید اسلام کا جوہر ہے۔ اسلامی توحید صرف نظریہ نہیں بلکہ ایک عملی نظام ہے۔ سورہ حمد میں اس کا ذکر ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ انسان کو صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہئے اور صرف اس کی مدد کی امید رکھنی چاہئے۔

## عقیدہ نبوت وامامت:

اسلام کے دوسرے بنیادی عقیدے عقیدہ نبوت وامامت میں فلسفہ موت وحیات اور ضرورت ہدایت الٰہی ہے۔ سورہ حمد میں اس کی بنیاد کا تذکرہ ہے اور اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ انسان خدا کی ہدایت کا محتاج ہے۔

## نظریہ تولا:

انسان کو اچھوں کے ساتھ رہنا چاہئے اور بروں اور برائی سے نفرت کرنا چاہئے اور ان سے اپنے دامن کو دور رکھنا چاہئے۔

سورہ حمد میں اس اصول کا بھی دعائیہ پیرایہ میں ذکر ہوا ہے۔ اس طرح سورہ حمد میں صرف توحید، معاد، نبوت، امامت، اخلاق اور احکام کی جانب اشارہ نہیں ہے بلکہ انسان اور کائنات کے اسلامی تصور اور اسلامی عملی نظام کی جانب بھی رہنمائی موجود ہے۔ اسی لئے سورہ فاتحہ کو پورے قرآن کا نچوڑ کہا جاتا ہے۔

## بسم اللہ کے معنیٰ اور اس کی اہمیت:

''بسم اللہ'' سورہ برأت کو چھوڑ کر قرآن کے تمام سوروں کا جزو ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر جب بھی کوئی نیا سورہ نازل ہوتا تھا تو سب سے پہلے آیت بسم اللہ نازل ہوتی تھی بغیر ''بسم اللہ'' کے یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ کوئی نیا سورہ شروع ہوگیا ہے۔ (داؤد) امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی معاویہ ابن عمار کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام سے سوال کیا کہ کیا مجھے نماز میں سورہ حمد سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تلاوت کرنی چاہئے؟ امام نے

فرمایا: ہاں! میں نے پھر سوال کیا کہ کیا سورہ حمد کے اختتام اور دوسرے سورہ کے شروع کرنے سے پہلے پھر ''بسم اللہ'' پڑھنا چاہئے؟ امام نے پھر فرمایا: ہاں! دارقطنی نے امیرالمومنین سے روایت کی ہے کہ کسی نے آپ سے ''سبع مثانی'' (سات آیتوں) کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ سورہ حمد ہے۔ اس شخص نے پھر کہا کہ سورہ حمد میں تو صرف چھ آیتیں ہی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' بھی تو ایک آیت ہے۔

''بسم اللہ'' کی اہمیت اور فضیلت کے سلسلے میں امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ نے فرمایا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اسم اعظم ہے اس طرح ہم سے قریب ہے جیسے آنکھ کی پتلی اس کی سفیدی سے۔ شیخ صدوق نے کتاب ''خصائل'' میں امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ہم جب بھی کوئی چھوٹا یا بڑا کام شروع کریں تو ہمیں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے اس کام کی شروعات کرنی چاہئے۔ اس سے رحمت خدا اس کام میں شامل ہوجاتی ہے۔

روایتوں میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ سورہ حمد پورے قرآن کا نچوڑ ہے، ''جو کچھ سورہ حمد میں ہے وہ ''بسم اللہ'' میں ہے اور جو کچھ ''بسم اللہ'' میں ہے وہ باء بسم اللہ میں ہے، جو کچھ باء بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو ''باء'' کے نیچے لگتا ہے اور جو اس حرف کو دوسرے عربی حروف سے جدا کرتا ہے۔'' یہ جملہ بہت گہرا ہے اور اس کے عرفانی معانی ہیں۔ اسی لئے امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: ''میں وہ نقطہ ہوں جو ''باء'' کے نیچے ہوتا ہے۔''

اگر ہم اس آیۂ مبارکہ پر گہرائی سے غور کریں تو محسوس ہوگا کہ اسلام کا مرکزی پیغام اس ایک جملے میں سمودیا گیا ہے۔ ہر آئیڈیالوجی اور مکتب فکر کا اپنا ایک نعرہ ہوتا ہے جو اس کے بنیادی پیغام کو پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر فرانس کے انقلاب کا نعرہ تھا ''برابری آزادی اور اخوت'' جو اس تحریک کے پیغام کی طرف متوجہ کرتا تھا اسی طرح مارکس کی تحریک کا نعرہ تھا ''دنیا کے مزدور متحد ہوجاؤ'' یہ نعرہ اس آئیڈیالوجی کے طبقاتی طرز فکر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ قرآن کریم کی شروعات ''بسم اللہ'' سے ہوتی ہے جو اسلامی آئیڈیالوجی کے لئے ایک بنیادی شعار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ اسلامی طرز فکر میں بنیادی حیثیت نہ تو نسل کی ہے نہ رنگ کی نہ ہی طبقہ کی بلکہ ان تمام چیزوں سے بالاتر ذات واجب الوجود اور اس کے مقدس قوانین ہیں جو اس مذہب کی بنیاد ہیں۔ اس طرح آیہ ''بسم اللہ'' اسلامی نظام کا ایک علامتی شعار ہے۔

## ''بسم اللہ'' سے کام شروع کرنے کی حکمت:

ہر مسلمان کے لئے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کی شروعات آیت ''بسم اللہ'' سے کرے۔ یہ جملہ دراصل خداوندعالم سے مدد کی درخواست پر مبنی ہے۔ اسلام بنیادی طور پر صرف ایک فلسفیانہ نظام نہیں ہے جہاں عمل کی گنجائش ہی نہ ہو بلکہ اس دین میں عقیدہ اور عمل ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ اس لئے آیۂ ''بسم اللہ'' نہ صرف ایک عقیدہ کا اعلان ہے بلکہ ساتھ ہی اس میں عمل کی ترغیب بھی ہے۔

## رب العالمین کے حقیقی معنیٰ اور اس کے مختلف پہلو:

رب کے مختلف معنیٰ ہیں جیسے: (۱) مالک، آقا اور صاحب اختیار (۲) پالنے والا، کفیل اور ولی (۳) بادشاہ اور حاکم (۴) وہ جس کی اطاعت واجب ہو (۵) رازق، اور ترقی دینے والا (۶) وہ جو مسلسل کمال کی جانب رہنمائی کرے۔

لفظ ''رب'' خالق اور کائنات کے بیچ رشتے کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ یہ نہ صرف خلق کرنے اور وجود میں لانے کی جانب اشارہ کرتا ہے بلکہ کائنات کے تکامل اور ترقی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ یہ مادی کائنات خود بہ خود پیدا نہیں ہوگئی ہے اور نہ ازخود چل رہی ہے۔ اللہ نہ صرف کائنات کا خالق ہے بلکہ اس کا چلانے والا بھی ہے۔ کائنات سے خالق کا رشتہ کوئی گزشتہ واقعہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ ارسطو کے فلسفۂ ''علت اول'' اور اسلامی تصور ''رب العالمین'' میں یہی فرق ہے۔

خداوند نہ صرف خالق ہے بلکہ وہ اپنی مخلوق کو ان میں موجود استعداد کے ذریعہ کمال کی جانب رہنمائی بھی کرتا ہے۔ کائنات کی ہر شئی ہر لمحہ ترقی پذیر ہے۔ یہ آیت اس جانب بھی اشارہ کرتی ہے کہ انسان کی ترقی کے امکانات لامحدود ہیں۔ لہٰذا رب العالمین حیات اُخروی میں بھی منازل کمال کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ انسان کی روحانی ترقیاں مرگ ظاہری کے بعد بھی جاری رہیں گی۔

## لفظ ''اللہ'' کے معنیٰ:

''اللہ'' لفظ ''الٰہ'' کے ساتھ ''ال'' لگا کر بنایا گیا ہے۔ یہ خدا کا اسم ذات ہے۔ دوسری زبانوں میں اس لفظ کے مساوی جتنے بھی الفاظ پائے جاتے ہیں ان کی جمع اور مؤنث ممکن ہے لیکن لفظ ''اللہ'' کے لئے جمع یا مؤنث ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ انگریزی زبان میں ''گاڈ'' یا اردو میں ترجمے کے لئے ''خدا'' کا استعمال کیا جاتا ہے مگر درحقیقت لفظ ''اللہ'' کا صحیح ترجمہ کسی بھی زبان میں ممکن نہیں ہے۔

## ''العالمین'' کے معنیٰ:

''عالمین'' کے کیا معنیٰ ہیں؟ کیا ایک سے زیادہ دنیائیں موجود ہیں؟ کیا اس کے معنیٰ تمام موجودات ہیں؟ کیا اس کے معنی مختلف مخلوقات اور ان کے مراتب ہیں؟ تفسیر ''المنار'' کے مصنف نے اس سلسلے میں امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں امامؑ نے فرمایا کہ ''عالمین'' سے مراد تمام انسان ہیں۔ شیخ صدوق نے اپنی کتاب ''عیون الاخبار'' میں امیر المومنین حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ''عالمین'' سے مراد تمام مخلوقات ہیں چاہے وہ ذی روح ہوں یا بے جان۔ اگر ہم قرآن کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں یہ لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں پر یہ تمام مخلوقات یعنی انسان، ارواح، ملائکہ، حیوانات، درخت اور معدنیات کے لئے استعمال ہوا ہے تو کہیں پر محدود معنیٰ میں جیسا کہ آیہ (۲:۲۵) میں ''العالمین'' سے مراد تمام انسان ہیں۔ کہیں پر اس سے مراد تمام گروہ ہیں۔

## اسلام ایک آفاقی دین:

قرآن اپنے آغاز ہی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دینا چاہتا ہے کہ دین اسلام میں ذات خدا کسی ملک یا نسل کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ اسلام کا تصور ''رب'' کسی قبائلی دیوتا یا علاقائی خدا کا تصور نہیں ہے۔ اسلامی نظریئے سے اللہ تمام کائنات اور تمام انسانیت کا مالک اور رازق ہے۔

خالق کی وحدانیت کا لازمی نتیجہ مخلوق کا اتحاد ہے۔ اسلام کی صفات میں ایک مخصوص صفت اس کا آفاقی ہونا ہے۔ دین اسلام یہودیت یا عیسائیت کی طرح کسی خاص قوم یا گروہ کا مذہب نہیں ہے۔ اسلام زرتشتی یا ہندو مذہب کی طرح نسلی مذہب بھی نہیں ہے جو صرف ایک خاص نسل یعنی آریائی نسل کے لئے مخصوص ہو۔ اسی طرح اسلام طبقاتی آئیڈیالوجی (مثلاً مارکس ازم کی طرح) بھی نہیں ہے جو صرف ایک خاص طبقہ کے لئے مخصوص ہے۔ اسلام اپنے نقطۂ آغاز ہی سے ایک آفاقی دین تھا۔ اسی لئے قرآن نے خدا کو ''تمام دنیا کے مالک'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

## رحمن اور رحیم کا مفہوم:

''رحمن و رحیم'' ایک ہی مادہ رحمت سے مشتق ہیں۔ اسلام کا مقصد چونکہ انسان کو ''خدا محوری'' کی جانب لے جانا ہے اسی وجہ سے بنیادی طور پر ان دو صفتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان فطرتاً اسی سے محبت کرتا ہے جو خود لطف و کرم اور محبت کرنے والا ہو۔ یہ دو صفات خود بہ خود انسان کی توجہ اس کے حقیقی خالق کی طرف موڑ دیتی ہیں اور اس سے محبت کا باعث بنتی ہیں۔

''الرحمن'' اور ''الرحیم'' دونوں کے معنی بہت مہربان اور بہت رحم کرنے والے کے ہیں۔ چونکہ انسانی زبان اللہ کے رحم و کرم کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے پے در پے لفظوں کا استعمال کیا گیا اس کے علاوہ ''رحمن اور رحیم'' کے الفاظ میں لطیف فرق بھی ہے جس کا علماء نے تذکرہ کیا ہے۔ مندرجہ ذیل فرق کا تذکرہ مفسرین نے کیا ہے:

(۱) ''رحمن'' عربی صرف کے لحاظ سے ''فعلان'' کے وزن پر ہے جو صفت رحم کے نقطۂ کمال کے لئے استعمال ہوتی ہے جب کہ ''رحیم'' بروزن ''فعیل'' ہے جو اس صفت کے مستقل اور مسلسل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی ''رحمن'' کامل ترین لطف و محبت کو بیان کرتا ہے اور ''رحیم'' لطف مسلسل کو۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ رحمن اس مادی دنیا میں اللہ کے عام لطف و کرم کے لئے اور رحیم آخرت میں اس کے مومنین پر مخصوص رحمت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ ''رحمن'' اللہ کی اس عمومی محبت اور لطف کو بیان کرتا ہے بلا کسی قید کے انسانوں کے شامل حال ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر، اچھا ہو یا برا، جب کہ رحیم اس کی اس صفت رحم کا نام ہے جو اس کے مطیع اور نیک اعمال کرنے والے بندوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس آیت سے ایک اور اہم نکتہ کا استنباط ہوتا ہے۔

کائنات اور اس کے خالق میں کس قسم کا رشتہ ہے؟ قرآن اشارہ فرماتا ہے یہ رشتہ لطف و محبت ہے جس

کے تحت اللہ نے کائنات کو خلق کیا اور کائنات قائم ہے۔ یہ لطف الٰہی ہی ہے جو دنیا میں انسانی وجود کی بنیاد ہے۔ بعثت انبیاء کا محرک بھی لطف الٰہی ہے۔ یہ سوال ذہن میں آتے ہیں کہ کائنات کو کیوں پیدا کیا گیا؟ کیوں اسے تکامل کی جانب ہدایت کی گئی؟ پیغمبروں کو کیوں مبعوث کیا گیا؟ امامت کا سلسلہ کیوں قائم ہے؟ ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے یعنی اللہ کا لطف عدم کی گہرائیوں سے مخلوق کے وجود کو باہر لانے کا اصل محرک یہی لطف الٰہی ہے جو درحقیقت تمام موجودات کی وجہ خلقت ہے۔ اسی لئے سورہ حمد میں چار باران صفات کو دہرایا گیا ہے۔

''رحیم'' اللہ کی اس محبت اور مہربانی کی طرف اشارہ ہے جو اس کے مخصوص اور پاک بندوں سے مخصوص ہے۔ ''رحمن'' صفت ''ربوبیت'' سے متصل ہے اور ''رحیم'' ''مالک یوم الدین'' سے۔ اللہ کا عمومی رحم پوری کائنات کے لئے ہے مگر چونکہ اس نے انسانوں کو قوت اختیار اور قوت فیصلہ عطا کی ہے تاکہ وہ صحیح یا غلط، ہدایت یا گمراہی میں سے کسی ایک راہ کو چن لیں اس لئے جو لوگ راہ ہدایت کا اتباع کریں گے ان کے لئے مخصوص اجر ہے جو اس ''رحیم'' کی صفت سے ظاہر ہے۔

## روز جزا و عدل الٰہی اور تصور معاد:

اس آیت میں عدل الٰہی کے اصول کی جانب اشارہ ہے۔ قرآن کریم کے مطابق لطف ورحم خداوند عالم کی اولین صفات ہیں مگر چونکہ اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے جس میں نہ تو عیسائیت کی طرح جذبہ لطف ومحبت کو مرکزیت حاصل ہے اور نہ ہی یہودیت کی طرح صفت عدل ہی پر سارا دارومدار ہے۔ اس لئے اسلام خداوند قدوس کی ان دونوں صفات کا تذکرہ کرتا ہے۔ پہلے رحم پھر اس کے بعد عدل۔ دیکھا جائے تو یہ دونوں صفات درحقیقت وجود کائنات کے اہم اسباب وعوامل ہیں۔ قرآن کے مطابق خالق کائنات نہ صرف لطیف ورحیم ہے بلکہ عادل بھی ہے۔ لہٰذا انسان کو نہ صرف اس سے محبت کرنی چاہئے بلکہ اس کے جلال اور عدل کی وجہ سے اس سے ڈرنا بھی چاہئے۔ یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ ''رحمن ورحیم'' کے لفظ کو دوبارہ دہرایا گیا، پھر صفت عدل کا ایک بار ذکر ہوا جس سے آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کائنات اور انسان کے معاملات میں اللہ کی دونوں صفات یعنی رحم اور عدل کا کیا تناسب ہے۔

اس دعا کی خاصیت یہ ہے کہ یہ دل کو چھو لینے والے انداز میں انسان کو اس کے رب کی جانب متوجہ کرتی ہے۔ انسان کی فطرت میں دو ہی جذبے ایسے ہیں جو اسے سرتسلیم جھکا دینے پر مجبور کردیتے ہیں محبت یا خوف۔ کچھ لوگ محبت میں اپنا سر جھکا دیتے ہیں تو کچھ خوف کی بنا پر۔ اس دعا میں اوّلاً ان صفات الٰہی کا ذکر ہے جن کا تعلق لطف ومحبت سے ہے اور بعد میں وہ صفات ہیں جو جذبۂ خوف کو بیدار کرتی ہیں اور دونوں صفات کا یکے بعد دیگرے تذکرہ کرنے کے بعد خالق کے عفو وکرم کا بھی تذکرہ ہے۔ یہ اس کی قدرت مطلقہ کے دائرہ اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے معاف کرے یا جس پر چاہے لطف وکرم کی بارش کرے وہ ایسا قاضی نہیں ہے جس کا کام صرف مجرمین کے لئے سزا

تجویز کرنا ہو۔

## عدل الٰہی:

اس آیت میں عدل الٰہی کی طرف اشارہ اس اصول کی اہمیت کا غماز ہے۔ اللہ کی جملہ صفات میں عدل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متکلمین نے اسے توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا ہے۔ عدل الٰہی سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم کے نظام کائنات، قانون سازی اور جزا و سزا میں اصول عدل کارفرما ہے۔ خداوند ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے پاک و مبرا ہے۔ کیونکہ کسی بھی قسم کا ظلم ہر ذی شعور کے نزدیک نقص ہے۔ اور اللہ ہر نقص سے پاک و آزاد ہے لہٰذا اس کا عادل مطلق ہونا واجب و لازم ہے۔

انسان صاحب اختیار اور اپنے اعمال کے لئے ذمہ دار مخلوق ہے۔ اللہ اسے اس کے اعمال کی جزا دے گا جو از لحاظ اصول عدل مناسب ہوگی۔ شیعہ متکلمین نے نظریہ عدل پر اتنا زور اس لئے دیا کیونکہ مسلمانوں کے اندر ہی ایک فرقہ ''اشاعرہ'' کے نام سے وجود میں آ گیا تھا جس کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ اصول عدل پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے۔ اسے یہ اختیار ہے کہ کسی بدترین مخلوق کو جنت عطا کرے اور ایک بندۂ صالح کو جہنم میں بھیج دے۔ شیعوں کا عقیدہ اس سے بالکل مختلف ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر پہلو اور جہت سے نہ صرف ذات اکمل بلکہ منبع کمال ہے اور ہر طرح کا ظلم نظریہ کمال کے منافی ہے لہٰذا وہ عادل مطلق ہے۔ علاوہ ازایں شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ''خیر و شر حقیقی ہیں اور انسان اپنے تمام اعمال و افعال کی انجام دہی کے لئے صاحب اختیار ہے۔ اگر انسان اپنے اعمال و افکار میں صاحب اختیار نہ ہو تو جنت و جہنم کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے اور اگر اللہ برائیوں پر جزا اور نیکیوں پر سزا دے تو اخلاقیات پر عمل کرنے کا کوئی محرک باقی نہیں رہتا ہے۔

نظریہ عدل کا ایک رخ اجتماعی اور سیاسی انصاف بھی ہے۔ اس لئے شیعیت میں اصول عدل کو اپنی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں جاری کرنے کی تاکید نظر آتی ہے۔ یہ اصول قرآن کریم کی واضح آیات اور مستند احادیث معصومینؑ سے ماخوذ ہے۔

## دین کے معنی:

لفظ دین جزا اور 'مذہب' دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ روز قیامت کو روز جزا بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن صالحین اور مجرمین دونوں کو ان کے اعمال کی پوری جزا ملے گی۔ اسی کو یوم دین بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن انسان کی آنکھوں کے سامنے سے تمام مادی حجابات اُٹھ جائیں گے اور وہ اپنے آپ کو تمام حقائق کے روبرو پائے گا۔ دین خود حقیقتوں کے انعکاس کا نام ہے۔

یہ آیت اسلامی جہاں شناسی کے دوسرے اہم عقیدے کی جانب اشارہ کرتی ہے یعنی آخرت پر ایمان۔ جہاں بینی اسلامی کے مطابق کائنات اور انسان صرف مادی وجود میں محدود نہیں ہیں۔ انسانی زندگی ظاہری موت کے بعد بھی جاری رہنے والی ہے۔ اور ہر فرد بشر روز قیامت اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار اور خدا کے نزدیک ان کا جواب دہ ہوگا۔ لفظ دین اس قانون معاد اور احتساب کی جانب اشارہ